تفسیر کبیر۔ روش اور منہج

(ایک جائزہ)

ڈاکٹر غزل کاشمیری
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

تفسیر کبیر کی قدرو منزلت

تفسیر کبیر کی قدرو منزلت کے بارے میں مختلف آراء ملتی ہیں۔ سیوطی نے یہ قول نقل کیا ہے۔ "قال بعض العلماء فيه كل الشئى الا التفسير" تفسیر کبیر میں ہر چیز موجود ہے۔ سوائے تفسیر کے۔ اسی قول کو صاحب کشف الظنون نے نقل کر دیا ہے۔ (۱-ب) امام الصفدی نے اسے ابن تیمیہؒ کی طرف منسوب کیا اور تاج الدین السبکی کا جواب نقل کیا ہے۔ "فيه كل الشئ ء مع التفسير" اس میں تفسیر کے ساتھ ساتھ ہر چیز موجود ہے۔ (۲-ب)

یہی وہ قول ہے جس نے ہمیں تفسیر کبیر پڑھنے اور پھر اسے ایک عظیم تفسیر ثابت کرنے پر مجبور کیا ہے۔ یہ ہم آگے بیان کریں گے کہ سیوطی نے ایک مفسر کے لیے جو علوم بیان کیے ہیں۔ امام رازی ان پر پورا اترتے ہیں۔ یہ امر بھی بحث طلب ہے کہ آیا ابن تیمیہؒ نے یہ قول کہا بھی ہے یا نہیں۔ کسی نے ان کی طرف یہ قول از خود منسوب تو نہیں کر دیا؟

طاش کوبری زادہ کہتے ہیں کہ امام رازی نے اپنی تفسیر اس وقت لکھنا شروع کی جب وہ صوفیانہ رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور آپ صاحب مشاہدہ ہو گئے تھے جو بھی اس تفسیر کا مطالعہ کرے گا۔ اسے اس میں بے شمار وجدانی اور ذوقی امور ملیں گے۔ (۳-ب) گولڈ زیہر ایک مختصر اور جامع اشارہ کرتے ہیں۔ "امام رازی کی تفسیر پہلی اور آخری بھر پور علمی تفسیر ہے جس میں وہ بار بار معتزلہ کا رد کرتے ہیں۔ (۴-ب)"

امام ابن تیمیہ کا قول اگر واقعی صحیح ہے تو وہ صرف تفسیر کبیر کی پہلی جلد جس میں سورہ الفاتحہ کی تفسیر ہے، پر

صادق آتا ہے۔ اس کی ابتداء میں قاری کو غیر ضروری لغوی مباحث ملیں گے لیکن جو حضرات تفسیر کبیر کا مکمل مطالعہ کریں گے، وہ تاج الدین السبکی کی رائے سے اتفاق کریں گے۔ سچی بات یہ ہے کہ تفسیر کبیر میں فلسفیانہ امور اور کلامی مباحث، واجب الوجود اور ممکن الوجود کا غلبہ ہے لیکن ان مباحث سے امام رازی نے وجود صانع اور اس کی واحدانیت ثابت کی ہے۔ آپ نے ان مباحث کے ذریعے صفات باری تعالیٰ افعال اللہ اور اسماء اللہ پر لازوال بحث کی ہے۔ شاید یہ اس دور کی ضرورت تھی۔ آپ نے اسی ضرورت کے تحت بندوں کے افعال، عصمت انبیاء اور ان کی شفاعت ثابت کی ہے اور ساتھ ہی کفر و ایمان کی تعریف کر کے دونوں میں اعلیٰ اور اولیٰ کی نشاندہی کی ہے۔ ہماری بات کی تائید ڈاکٹر فتح اللہ حنیف نے بھی کی ہے، یہ بحث آگے آئے گی۔

تفسیر کبیر کا منہج :

امام رازی تفسیر کرتے وقت ہر سورت کی ابتداء میں یہ بتاتے ہیں کہ یہ مکی ہے یا مدنی۔ پھر اس سورت کی آیات گنواتے ہیں اور یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ سورت کب نازل ہوئی۔ مثلاً سورۃ بنی اسرائیل کے بارے میں فرماتے ہیں۔ یہ سورۃ مکی ہے۔ مگر آیات ۲۶، ۳۲، ۳۳ اور ۵۷ اور پھر آیات ۷۳ تا ۸۰ مدنی ہیں۔ اس کی کل آیات ۱۱۱ ہیں۔ یہ سورۃ القصص کے بعد نازل ہوئی ہے۔ (۵-ب)

امام رازی کے بعد اکثر مفسرین نے یہ منہج اختیار کیا ہے۔ مثلاً حسین بن علی الواعظ الکاشفی (م ۹۱۰ھ) نے اپنی فارسی تفسیر المواہب العلیہ المعروف تفسیر حسینی میں اسی انداز سے خوشہ چینی کی ہے۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں یہ طریقہ اپنایا ہے۔ امام رازی دوران تفسیر اگر کوئی آیت مکرر آجائے تو فرماتے ہیں ہم اس آیت کی تفسیر فلاں مقام پر کر آئے ہیں۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

امام رازی کے نزدیک تفسیر و تاویل مترادف ہیں جیسا کہ امام طبری کا نظریہ ہے۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۵ میں "مَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ" کے تحت فرماتے ہیں۔ و فی تاویل الآیۃ و جهان اس آیت کی تاویل میں دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ یہاں لفظ تاویل کو تفسیر کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔ (۶-ب) امام رازی کی تفسیر کا کمال منہج سورتوں کے مابین ربط بیان کرنا اور آیات کے مابین تناسب و توافق بیان کرنا ہے۔ بلاشبہ امام رازی اس فن کے عظیم چیمپین یا پائنیر کہلانے کے مستحق ہیں۔

تفسیر بالقرآن

علم تفسیر کا یہ بنیادی اصول ہے کہ اگر کسی آیت کا حکم کسی جگہ عام ہے تو دوسری جگہ خاص ہو گا۔ اگر ایک جگہ

مطلق ہے تو دوسری جگہ مقید ہو گا۔ اگر کسی حکم میں ابہام ہو گا تو قرآن کی کسی اور سورت میں اس کی وضاحت کر دی جائیگی' لہٰذا تفسیر کرتے وقت ایک مفسر کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ قرآن پاک کے ان تمام مقامات پر گہری نظر رکھے جن میں ایک ہی حکم مختلف انداز میں چلا جاتا ہے۔

اس کو تفسیر القرآن بالقرآن کہا جاتا ہے۔ "اَلقُرآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا" یعنی قرآن اپنی تفسیر خود بیان کرتا ہے۔ امام رازی سب سے پہلے اسی کلیہ پر عمل کرتے ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۷۸ تا ۸۱ : "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا" کے تحت فرماتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے الٰہیات' معاد اور نبوتوں کا ذکر کر دیا تو اس کے فوراً بعد ایمان و اطاعت کا ذکر کیا ہے۔ ایمان کے بعد سب سے بڑی اطاعت نماز ہے۔ اس لیے نماز قائم کرنے کا حکم دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے کہا : "وَ اِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ" تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عبادت کی طرف رخ پھیرنے کا حکم دیا تاکہ آپ کی مدد کی جا سکے۔ گویا آپؐ کو کہا جا رہا ہے کہ یہ کافر حضرات آپ کو شہر سے نکالنے کی جو کوششیں کر رہے ہیں ان کی پروا نہ کریں اور نہ ان کی طرف توجہ دیں۔ خدا آپ کا ہاتھ ان پر غالب کر دے گا۔ اور آپ کا دین بلند رہے گا۔"

یہاں تک تو امام رازی نے آیت ۷۸ تا ۸۱ کا سابقہ آیات سے ربط بیان کیا ہے۔ آگے فرماتے ہیں' نماز کے اس عمل کی مثال سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۱۳۰ میں آئی ہے۔

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِھَا وَ
مِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّھَارِ لَعَلَّکَ تَرْضٰی

اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتے ہیں :

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّکَ یَضِیْقُ صَدْرُکَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ○ وَ اعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ○ (۷۔)

تفسیر کبیر اور حدیث

قرآن پاک کی تفسیر کا دوسرا بڑا اصول حدیث ہے۔ امام رازی تفسیر میں احادیث بیان کرتے ہیں۔ مگر کئی احایث درجہ ثقاہت کو نہیں پہنچتی اگرچہ زمخشری کی مانند وہ موضوعات کے دائرہ میں شامل نہیں۔ ایک جگہ جابر جعفی کی روایت امام باقر سے روایت کرتے ہیں اور بغیر جرح کے آگے گذر جاتے ہیں۔ (۸۔) کہیں کہیں موضوع روایات پر

تنقید بھی کرتے ہیں لیکن شاذونادر آپ صحابہ کرام کی آراء کو بھی فن تفسیر میں بیان کرتے ہیں مثلاً "وَ اَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُه"۔" کے بارے میں حضرت ابو بکر صدیق کی رائے بھی بیان کرتے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں اتباع حق کرتے ہیں۔ (۹-ب) سورۃ القدر کی آیت نمبر ۳"۔۔۔لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ" کے تحت فرماتے ہیں۔ کیا روایت میں یہ نہیں آیا کہ یہ آجال وارزاق ۱۵ شعبان کو تقسیم کیے جاتے ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں سب کچھ "لَیْلَةُ الْقَدْرِ" میں ہوتا ہے؟ ہم جواب دیتے ہیں کہ نبی پاکؐ سے روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تقدیریں لیلۃ البرآۃ میں مقرر کرتے ہیں اور جب لیلۃ القدر آتی ہے تو ان تقدیروں کو ان کے مالکوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ (۱۰-ب)

تفسیر کبیر اور فقہ

امام رازی فقہ میں امام شافعی کے پیروکار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے تفسیر میں جو مسائل بیان کیے ہیں وہ زیادہ تر شافعی کی "الرسالہ" (۱۱-ب) اور محی السنہ کی کتاب "التہذیب" (۱۲-ب) سے ماخوذ ہیں لیکن آپ ابو بکر الرازی الحنفی اور امام احمد بن حنبل کی آرء کا بھی حوالے دیتے ہیں۔ مختلف آئمہ کے اقوال بیان کر کے اپنی ترجیحی رائے بیان کرتے ہیں۔ ضروری نہیں وہ رائے شافعی مسلک کے مطابق ہو۔ (۱۳-ب) ایک جگہ فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب خبر واحد کو حجت مانتے ہیں۔ (۱۴-ب) فرماتے ہیں: "علوم قرآن کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے۔ خاص عام پر مقدم ہے۔ (۱۵-ب)

رازی اشیاء کے حسن وقبح کو عقلی معیار پر پرکھتے ہیں (۱۶-ب)

رازی قیاس کو حجت مانتے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں: "فرجح الامرالی تخصیص عموم الکتاب بھذا القیاس۔" (۱۷-ب) یہ معاملہ اس قیاس سے عموم کتاب کو خاص کر دیتا ہے۔ فرماتے ہیں: جو آدمی اپنے بھائی کی غیبت کرتا ہے وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ اس تشبیہ میں کیا حکمت ہے؟ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی عزت اس کے گوشت اور خون کی طرح ہے۔ پھر کہتے ہیں: "و ھذا من باب القیاس الظاھر" (۱۸-ب)

یہ قیاس ظاہر کی قسم ہے۔ آپ نبی پاکؐ کی اس حدیث سے قیاس کی حجت ثابت کرتے ہیں: "نحن نحکم بالظواھر واللہ یتولی السرائر" ہم تو ظاہر کے مطابق حکم دیتے ہیں' پوشیدہ حالت کو خدا جانتا ہے۔ قرآن پاک کی آیت "وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا" کے تحت فرماتے ہیں: "ھذہ اشارۃ الی قیاسِ خفئی۔" اس میں قیاس خفی کی طرف اشارہ ہے۔

رازی زمخشری کے اس دعویٰ کا رد کرتے ہیں کہ مقلد کا ایمان صحیح نہیں ہے۔ زمخشری کہتا ہے: قیاس ظن کا

مفاد دیتا ہے اور ظن علم کے غیر ہے۔لہذا اللہ کے دین میں ظن کے ساتھ حکم لگانا غیر معلوم کے ساتھ حکم لگانا ہے۔ لہذا "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ" کے تحت قیاس ایک ظن ہے۔امام رازی "وَرَاَيْتَ النَّاسَ" کو پیش کر کے فرماتے ہیں کہ دین میں مجرد ظن کی بناء پر حکم لگانا اجماع امت کے تحت جائز ہے۔اس کی کئی صورتیں ہیں۔اس کے بعد آپ بے شمار صورتیں پیش کرتے ہیں۔(۱۹-)

تفسیر کبیر اور شان نزول :

تفسیر قرآن کے لیے شان نزول ایک مہتم بالشان علم ہے۔یہ بھی تفسیر کا اصول ہے۔امام رازی سورتوں اور آیات کا شان نزول اگر کوئی ہے تو بیان کرتے ہیں کیونکہ ہر آیت کو اگر اس کے پس منظر میں رکھ کر تفسیر کی جائے تو قرآن کا ابلاغ زیادہ مؤثر طور پر ہوتا ہے۔سورۃ الحجرات کی آیت : "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔۔۔" کے تحت فرماتے ہیں : کہا جاتا ہے کہ اس کے شان نزول میں کئی اسباب ہیں مثلاً یہ یوم شک کے روزہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ان تین اشخاص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہیں بنی عامر کا سمجھا گیا تھا حالانکہ وہ بنی سلیم کے تھے۔یہ بھی کہا گیا تھا کہ یہ ایسے گروہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو نبی کریمؐ سے اکثر سوالات کیا کرتا تھا جب کہ حضورؐ کے پاس وفود بیٹھے ہوتے تھے۔اس کے بعد امام رازی اپنی رائے دیتے ہیں :

> "والاصح انه ارشاد يشمل الكل وصنع مطلق يدخل فيه كل اثبات و تقدم و استبداد بالامر و الاقدام على فعل غير ضرورى من غير مشورة (۲۰-)
>
> صحیح بات یہ ہے کہ یہ ارشاد عام ہے اور سب کو شامل ہے۔یہ نبی پاک کے حضور میں پہل کرنے کی مطلق ممانعت ہے۔اس میں ہر قسم کا اثبات و تقدم اور کسی فعل کو زبردستی کرنا شامل ہے اور ہر وہ فعل غیر ضروری ہے جس میں نبی پاکؐ کا مشورہ شامل نہ ہو۔"

امام رازی نے شان نزول کے بارے میں بعض غلط روایات بھی بیان کی ہیں مگر ان پر کوئی جرح نہیں کی مثلاً سورۃ اخلاص کے شان نزول میں ایک موضوع روایت بیان کر دی ہے۔یہ بھی ایک دلیل ہے کہ امام رازی نے مکمل تفسیر نہیں لکھی کیونکہ رازی سے اتنا بڑا سہو ہونا مشکل نظر آتا ہے۔امام رازی کی تفسیر پڑھنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ کے نزدیک آیات کا کوئی خاص شان نزول نہیں ہے بلکہ ان کا شان نزول ہر دور بن سکتا ہے۔سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۳ : "وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ" کے تحت امام صاحب فرماتے ہیں : ابن عباس فرماتے ہیں : یہاں انسان سے مراد ولید بن مغیرہ ہے۔یہ بہت بعید ہے بلکہ اس سے پوری نوع انسانی مراد ہے اور

انسانیت کی خاصیت ہے کہ جب یہ اپنا مطالب حاصل کر لیتی ہے اور مقصد تک پہنچ جاتی ہے تو دھوکے میں پڑ جاتی ہے اور خدا کی بندگی سے غافل ہو جاتی ہے۔ اللہ کی اطاعت سے سرکشی اختیار کر لیتی ہے۔ (۲۱ب) بعد میں یہی نظریہ شاہ ولی اللہؒ نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر میں پیش کیا ہے کہ قرآن پاک کی سورتوں کا کوئی خاص شان نزول نہیں ہے بلکہ ہر معاشرہ وزمانہ شان نزول ہے (۲۲ب)

تفسیر کبیر اور علم القرآۃ :

امام رازی قرآن پاک کی تفسیر بیان کرتے وقت مختلف جملوں' آیات والفاظ کی قرأت بھی بیان کرتے ہیں۔

"۔۔۔وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" کی قرأت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ابو عمرو نے بالصبر کے "با" کو تھوڑے سے اشمام کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ اس کا معنی نہ سیر ہونے والا بن جائے۔ ابو علی کہتے ہیں: حالت وقف میں اشمام جائز نہیں اور نہ ہی وصل کی حالت میں جائز ہے۔ البتہ اگر وصل کو وقت کے مجری پر چلایا جائے تو جائز ہے۔ اس کے بعد امام رازی اپنی رائے دیتے ہیں لیکن ایسا علم قرآۃ میں جائز نہیں۔ سلام بن المنذر سے بھی یہی روایت ہے۔ انہوں نے بالصبر کے "صاد" کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ شاید اس نے یہاں سانس رک جانے کی وجہ سے ایسا کیا ہے یا کسی ایسے عارض کی وجہ سے جو قرآۃ میں بیان کرنے سے رکاوٹ بنتا ہو۔ بہر حال اس قانون پر وصل کو وقف کے مجری پر جاری نہیں کیا جائے گا۔ (۲۳ب)

تفسیر کبیر اور ربط سور و آیات

قرآن پاک ایک الہامی کتاب ہے۔ اس کی سورتوں کی ترتیب زمانی نہیں بلکہ رحمانی ہے۔ یہی حال سورتوں کی آیات کا بھی ہے۔ سورۃ العلق نزول کے اعتبار سے سب سے پہلی سورۃ ہے۔ مگر قرآن کی ترتیب میں اسے آخر میں رکھا گیا ہے۔ اسی طرح آیت "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ" نزول کے اعتبار سے آخری آیت ہے لیکن اسے سورۃ المائدۃ میں رکھا گیا ہے۔ بعض اوقات مدنی سورتوں میں چند مکی آیات آجاتی ہیں۔ اسی طرح اس کے برعکس بعض اوقات ایک مضمون کے بعد فوراً دوسرا مضمون شروع ہو جاتا ہے۔ اس ترتیب رحمانی کی وجہ سے سورتوں اور آیات میں بظاہر تضاد و خلا نظر آتا ہے۔ امام رازی اس خلا کو اپنی پوری تفسیر میں اس طرح پر کرتے ہیں کہ پورا قرآن پاک ایک مربوط و منظم کتاب نظر آتی ہے۔

سورۃ النور کی آیت ٦ : "وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَھُمْ" کا ربط سابقہ آیت سے اس طرح بیان کرتے ہیں :

اعلم انه سبحانه لما ذکر احکام قذف الاجنبیات عقب با حکام قذف الزوجات (۲۴ب)

جان لو جب اللہ سبحانہ نے اجنبی عورتوں پر قذف کے احکام بیان کیے تو اس کے بعد مسلمانوں کے لیے اپنی بیویوں پر قذف کے احکام بیان کیے۔ امام رازی سورتوں کے مابین جب ربط بیان کرتے ہیں تو بے اختیار ان کی دقت نظر کی داد دینی پڑتی ہے۔ سورۃ الرحمان اور سورۃ القمر کے مابین ربط اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"پہلے یہ جان لو کہ سورۃ الرحمٰن کی ما قبل سورت سے دو طرح کی نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ سورت کی ابتدا ایسے معجزہ سے کی ہے جو اللہ کے تغلب' جبروت اور ہیبت پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ چاند کا پھٹ جانا۔ سورۃ الرحمٰن کی ابتداء بھی ایک معجزہ سے کی ہے۔ وہ اللہ کی رحمت پر دلالت کرتا ہے' وہ ہے "اَلرَّحْمٰنُ O عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ O عَلَّمَهُ الْبَیَانَ۔" دوسری مناسبت یہ ہے کہ سابقہ سورۃ میں اللہ تعالیٰ "فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ" متعدد بار بیان کرتے ہیں۔ سورۃ الرحمان میں "فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" یکے بعد دیگرے بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ لہذا سورۃ القمر اور الرحمٰن میں ایک ایک آیت کی متعدد بار تکرار میں بھی مناسبت ہے۔ (۲۵)

امام رازی نے سورۃ الکوثر کی تفسیر کرتے وقت جو ربط اکثر سابقہ سورتوں سے نکالا ہے وہ ایک شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔ ہر سورۃ کے بعد فرماتے ہیں: یہ سورۃ ما قبل کا تتمہ ہے۔ اسی کو نظم قرآن کہا جاتا ہے۔

اردو زبان میں یہی نظریہ ربط مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنایا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اپنے نظریہ کو نظریہ زوج کا نام دیا ہے۔ آپ بھی ہر سورۃ کو ما قبل کا تتمہ قرار دیتے ہیں۔

سورۃ الاسراء کی آیت ۱۰: "وَاَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا" کے تحت فرماتے ہیں: یہ آیت یہود کے احوال بیان کرتی ہے۔ حالانکہ یہود تو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ پھر اس مقام پر "لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ" کیوں لایا گیا ہے؟ پھر خود ہی فرماتے ہیں۔ اس کے دو جواب ہیں:

۱۔ یہودیوں کی اکثریت جسمانی عذاب و ثواب کی منکر تھی۔ بلکہ وہ کہا کرتے تھے: "لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ"

۲۔ یہود یہ دعویٰ کر کے آخرت کے منکر ہی ٹھہرے۔ لہذا آیت ان کے مناسب حال ہی ہے۔ (۲۶)

تفسیر کبیر اور تکرار آیات:

قرآن پاک میں عقائد' اعمال' معاملات اور اخلاقیات کی تکرار پائی جاتی ہے۔ جن آیات میں یہ بیان ہوئے ہیں انکی بھی تکرار ہے۔ عموماً تکرار ایک عیب ہے لیکن قرآن پاک میں تکرار الفاظ قرآن کے حسن میں اضافہ کرتا ہے۔ امام رازی اس تکرار کی حکمتیں بیان کرتے ہیں اور اسی تکرار سے وہ قرآن کو کلام خدا ثابت کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ فن بھی نظم

قرآن سے متعلق ہے لیکن ہم نے اسے علیحدہ بیان کیا ہے۔ سورۃ الصف کی پہلی آیت "سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ" کے تحت فرماتے ہیں: یہ "سبح" کا لفظ قرآن کی کئی سورتوں کی ابتداء میں آیا ہے۔ یہ تکرار ہے اور کلام میں تکرار کا ہونا عیب ہے۔ پھر قرآن میں یہ تکرار کیوں ہے ؟اس کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے۔

یہ تکرار نفس الامر میں تکرار ہے ہی نہیں جو تسبیح تخلیق کائنات کے وقت تھی وہ بعد میں ویسی نہیں رہی۔ اسی طرح وجود آدم کے وقت تسبیح اور قسم کی تھی اور وجود آدم کے بعد اور قسم کی ہو گئی۔ یہ تو تکرار کی وہ مثال ہے جو قرآن میں مختلف مقامات پر آئی ہے۔ تکرار کی ایک قسم وہ ہے جو ایک ہی سورت کے اندر آئی ہے۔ مثلاً سورۃ الحجرات میں "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کی پانچ بار تکرار ہے۔امام رازی فرماتے ہیں :اس سورت میں مومنین کو مکارم اخلاق کی تلقین کی گئی ہے۔۔۔ یہ تلقین اللہ کے لیے ہو گی' یا رسول کے لیے یا ان دونوں کے علاوہ ابنائے جنس کے لیے ہو گی۔ ابنائے جنس دو اقسام پر ہیں۔ یا وہ مومنون کے طریقہ پر ہوں گے اور مطعین کے درجہ میں داخل ہوں گے یا وہ زمرہ مومنین سے خارج ہوں گے۔ یہ فاسقین کا گروہ ہو گا۔ فاسقین کی بھی دو صورتیں ہیں۔ یا تو فاسق مومنین کے سامنے حاضر ہو گا یا غائب ہو گا۔لہذا یہ پانچ اقسام ہو گئیں۔ انہی کو "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کہہ کر پکارا گیا ہے۔(۲۷)

امام رازی ماہر لغت عربیہ :

مفسر قرآن کو عربی زبان وادب پر حاوی ہونا بہت ضروری ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک عربی زبان و عرب محاورہ کے مطابق نازل ہوا ہے۔ پھر یہ کہ قرآن پاک کی تفسیر کا دوسرا ماخذ حدیث ہے' وہ بھی عربی زبان میں ہے۔ فقہ بھی عربی میں ہے۔ امام رازی عربی لغت کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ کی تفسیر سہل البیان عربی میں ہے۔ اسے سھل ممتنع کہنا بے جا نہ ہو گا۔امام رازی عربی صرف و نحو کے ماہر تھے۔ مترادف الفاظ کی باریکیوں کے شناسا تھے۔ آپ کی لغوی بحث کی شاندار مثال "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" اور سورۃ الفاتحہ کی بحث ہے۔

امام رازی ایک اسم کے کئی کئی مترادفات بیان کرتے ہیں۔ اس فن کا سہرا اگرچہ امام طبری کے سر جاتا ہے لیکن امام رازی طبری کی خوشہ چینی کر کے اس کی عبارت پر اضافہ کرتے ہیں۔امام رازی فرماتے ہیں : قرآن پاک میں الدین کا لفظ متعدد بار استعمال ہوا ہے' مگر اس کے لیے الفاظ بھی متعدد آئے ہیں مثلاً الایمان' الصراط' کلمة الله' النور' الهدی' العروة' الحبل' صبغة الله اور فطرة الله (۲۸)

قرآن پاک میں کشتی کے لیے "فلك" "جاریه" اور "سفینه" کے الفاظ آئے ہیں۔امام رازی ان کی باریکیاں سمجھاتے ہیں۔ کشتی کی ابتدائی شکل فلک ہے جبکہ اس میں لوگ بیٹھ جائیں تو سفینہ ہے اور جب وہ پانی پر رواں ہو جائے تو

جاریہ ہے۔(۲۹)

امام رازی الزمخشری کی طرح عربی اشعار کو بطور استشہاد بہت کم پیش کرتے ہیں۔سورۃ الحجرات کی آیت ۶ : "فَتُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَا فَعَلۡتُمۡ نٰدِمِيۡنَ" کے تحت "اصبح" پر لغوی بحث کرتے ہیں۔نحوی حضرات کے نزدیک "اصبح" تین طرح استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ جب انسان صبح کرتا ہے۔ "ولا اصبحنا نقضی علیه"

۲۔ جب کسی کو کوئی خاص معاملہ در پیش ہو تو کہا جاتا ہے : "اصبح الیوم مریضنا خیراً مما کان غیر انه تغیر صحوۃ النهار۔"

۳۔ "اصبح" صار 'کے معنوں میں استعمال ہو جیسے کہ "اصبح زید غالباً" (۳۰)

لفظ اخوۃ کی تحقیق فرماتے ہیں : اھل لغت اخوۃ کو نسبی بھائی کی جمع بتاتے ہیں اور اخوان کو دوست داری میں جو بھائی بن جائے 'اس کی جمع بتاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :"اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ" گویا مسلمانوں کا بھائی چارہ اسلام کی وجہ سے ہے۔اسلام ہی بمنزلہ باپ کے ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے :

ابی الاسلام لا اب فی سواہ اذا افتخروا بقیس او تمیم

امام رازی اسماء مقلوبات پر بھی خوبصورت بحث کرتے ہیں۔فرماتے ہیں : ندم کو اگر مقلوب کر دیا جائے تو معنی میں دوام آجائے گا۔جیسا کہ "ادمن فی الشرب و هوا مد من ای ادام و قام و منه المدینة" (۳۱)سورۃ "الۡهُمَزَةَ" کے تحت فرماتے ہیں۔اہل لغت کہتے ہیں : "لمز" کسی انسان کی پیٹھ پیچھے عیب جوئی کرنا ہے اور "ھمز" کسی کے سامنے برائی کرنا ہے۔ہم کہتے ہیں مسئلہ اسکے برعکس ہے اور یہی اولیٰ ہے۔یعنی "لمز" کسی کے منہ پر برائی کرنا اور "ھمز" کسی کی پیٹھ پیچھے عیب جوئی کرنا 'کیونکہ جب ان کے حروف کو مقلوب کر دیا جائے تو دونوں ظاہری معنی کے برعکس باطنی معنی پر دلالت کرتے ہیں۔مثلاً لمز کا قلب لزم ہے اور ھمز کا ھزم ہے۔لزم قریب کے معنی پر دلالت کرتا ہے اور ھزم بعید کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔(۳۲)

امام رازی قرآن کی تشبیہات استعارات کی خوبصورت انداز میں مرجع و محمل پیش کرتے ہیں۔اس کی واضح مثال سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۶۴ : "وَاَجۡلِبۡ عَلَيۡهِمۡ بِخَيۡلِكَ وَ رَجِلِكَ" کے تحت جلب کی بہترین لغوی تحقیق کی ہے اور نہایت بلیغانہ انداز میں اس تشبیہہ کو شیطان پر چسپاں کیا ہے۔چنانچہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اسی آیت کے تحت جو تشریح کی ہے وہ امام رازی کی ہی پیروی معلوم ہوتی ہے۔یہاں یہ یاد رہے کہ مولانا عبدالماجد دریا

آبادی نے جتنا سرمایہ ء نکات اپنے مرشد تھانوی سے لیا ہے تقریباً اتنا ہی امام رازی سے لیا ہے۔ آپ جگہ جگہ تفسیر کبیر کے حوالے سے دیتے ہیں۔

امام طبری نے لفظ ینبوع کو جمع لکھا ہے۔ امام رازی کہتے ہیں : یہ واحد ہے۔(۳۳)

امام رازی کی تفسیر خوبصورت ضرب الامثال سے بھی پُر ہے مثلاً "البادی بالید لایکافأ" ہاتھ سے ابتداء کرنے والے کا کوئی نعم البدل نہیں۔ الجناية مصبة للجانی والمنية اذا عمت خفت (۳۴) وبال گناہ گار پر آکر رہے گا۔ مصیبت جب عام ہو جائے تو ہلکی محسوس ہوتی ہے۔ گویا بقول غالب :

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج　　　مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آسان ہو گئیں۔

ایک جگہ فرماتے ہیں : فلاں لا یملک نقیرًا و لا قطمیرًا (۳۵) اس کے پاس پائی ہے نہ رائی۔

تفسیر کبیر اور تقابل ادیان :

امام رازی اپنی تفسیر کی روشنی میں مذاہب عالم کے بہت بڑے عالم اور اسلام کے مبلغ نظر آتے ہیں۔ آپ اسلام کو اور کفر کو دو ملتیں تصور کرتے ہیں (۳۶) اسلام کو تمام ادیان سے بہترین اور آسان دین مانتے ہیں۔ سورۃ الماعون کی آیت "اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ" کے تحت فرماتے ہیں۔ قرآن ہی اسلام ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ" جہاں تک دوسرے مذاہب کا تعلق ہے ان کو دین نہیں کہا جا سکتا البتہ کوئی قید لگائی جائے تو علیحدہ بات ہے مثلاً دین نصاری اور دین یہود یہ مخصوص مقالات کا مجموعہ ہیں۔ یہ باطل مقالات دین نہیں ہیں کیونکہ دین نام ہے خدا کے آگے خضوع کا۔ مگر یہ مذاہب اپنی خواہشات اور تشبیہات کے آگے سرنگوں ہیں۔(۳۷) گویا امام رازی کے نزدیک دین اور مذہب میں فرق ہے۔

اسلام کے بارے میں فرماتے ہیں : اذا کانت شرائع الاسلام حنیفیه سهلة سمحة (۳۸) اسلامی احکام سیدھے سادھے، آسان اور معتدل ہیں۔ سورۃ الاخلاص کی تفسیر میں فرماتے ہیں : اللہ کے قول "احد" سے ثنویت کا مذہب باطل ہو جاتا ہے جو نور اور ظلمت دو خداؤں کے قائل ہیں۔ اسی سے نصاریٰ کی تثلیث اور صابئین کے افلاک و نجوم کے بارے میں خدائی تصورات باطل ہو جاتے ہیں۔ دوسری آیت سے وہ مذہب بھی باطل ہو جاتا ہے جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو خالق مانتا ہے کیونکہ حق جل شانہ کے سوا انسانی حاجات کا کوئی الصمد نہیں ہے۔ آیت یہود کے اس عقیدہ کو باطل کرتی ہے کہ عزیز خدا کے بیٹے تھے۔ اسی طرح تیسری آیت سے یہ عقیدہ بھی باطل ہو جاتا ہے کہ ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور چوتھی آیت سے وہ بت باطل ہو جاتے ہیں جنہیں اللہ کا شریک، ہم سر ٹھہرایا گیا تھا۔(۳۹)

سورۃ النور کی آیت ۳۵ : ''اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ'' سے مانویت اور مجسمہ کا رد کرتے ہیں۔ مانویت نور کو ازلی وابدی خدا مانتا ہے۔ فرماتے ہیں: ''جان لو۔ لفوظ نور لغت میں اس کیفیت کے لیے بولا جاتا ہے، جو سورج، چاند اور آگ سے حاصل ہوتی ہے۔ یہی کیفیت زمین اور دیواروں پر پڑتی ہے۔ کیفیت جسم کی محتاج ہوتی ہے اور جو کسی کا محتاج ہو وہ اللہ نہیں ہو سکتا۔ ان تمام دلائل کی روشنی میں مانویت کا یہ قول باطل ہو جاتا ہے کہ اللہ سبحانہ نور اعظم ہے۔''(۴۰۔ب)

سورۃ الصّف کی آیت ۶ : ''وَ مُبَشِّرًا م بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ م بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ'' کے تحت امام رازی لفظ احمد کو انجیل کے مختلف مقامات سے ثابت کرتے ہیں۔ پھر انجیل یوحنا کی طویل عبادات پیش کرتے ہیں: فارقلیط جو پاکیزگی کی روح ہے، سے محمدؐ کی ذات بابرکات ثابت کرتے ہیں لیکن یہاں یہ بھی مدنظر رہے کہ امام رازی سے یہاں ایک سخت سہو ہو گیا ہے۔ ''فلما جائهم بالبينات'' کی تشریح کرتے وقت فرماتے ہیں: کہا گیا وہ آنے والا عیسیٰؑ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ محمدؐ ہیں۔(۴۱۔ب) پتہ نہیں امام رازی کے قلم سے یہ عبارت کیسے نکل گئی کیونکہ بعد میں آپ نے اس کا کوئی رد بھی نہیں کیا۔ اس سے ان علماء کے اس دعوے کا ثبوت ملتا ہے کہ امام رازی نے قرآن پاک کی مکمل تفسیر نہیں کی۔ امام رازی محمد مصطفیٰؐ کی عظمت اور شان جگہ جگہ بیان کرتے ہیں اور باقی انبیاء کرام پر آپ کی فوقیت ثابت کرتے ہیں۔(۴۲۔ب) اور آپ حیاۃ النبیؐ کے بھی قائل ہیں(۴۳۔ب)

مابعد الطبعی اور تصوفانہ تفسیر :

مابعد الطبعی تفسیر اگرچہ تصوفانہ تفسیر کی ہی ایک شکل ہے لیکن فنی لحاظ سے دونوں میں سے ہلکا سا فرق ہے لیکن ہم نے ان دونوں کو ایک ہی عنوان میں رکھا ہے۔ امام رازی نے اپنی تفسیر میں اکثر مابعد الطبعی انداز اختیار کیا ہے۔ بعض مقامات پر خود فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر ہم نے روحانی انداز میں کی ہے۔(۴۴۔ب) غالباً یہ بھی ان کے فلسفی ہونے کا نتیجہ ہے۔ امام رازی نے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی تفسیر میں مابعد الطبعی انداز اختیار کیا ہے، وہ قابل غور ہے۔ ان دونوں تفسیروں کی تفسیر کر کے آخر میں فرماتے ہیں۔

میں نے ایک عارف سے ان دونوں سورتوں کی عجیب و غریب انداز میں تفسیر سنی ہے۔ وہ کہتا تھا جب اللہ سبحانہ نے سورۃ الاخلاص میں الھیاتی امور کی تشریح کی تو اس کے بعد سورۃ الفلق میں مخلوقات کے مراتب کو بیان کیا۔ چنانچہ پہلے اللہ نے فرمایا: ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ'' کیونکہ عدم کے اندھیرے لامتناہی ہیں اور حق سبحانہ نے ان اندھیروں کو تکوین، ایجاد اور ابداع کے نور سے پھاڑا۔ پھر کہا: ''مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکنات عالم

کی دو قسمیں ہیں۔ عالم الامر اور عالم الخلق۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔ ''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔'' عالم الامر تمام کا تمام خیر ہے۔ یہ عالم شر و آفات سے پاک ہے۔ جہاں تک عالم الخلق کا تعلق ہے وہ عالم الاجسام ہے یا عالم جسمانیات ہے۔ شر انہی کے اندر پایا جاتا ہے۔ عالم الاجسام کو عالم الخلق اس لیے کہا جاتا ہے کہ خلق ہی تقدیر ہے اور مقدار جسم کے لواحق میں سے ہے۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچا تو لازمی بات ہے کہ انسان کہے : میں اس رب کی پناہ میں آتا ہوں جس نے بحر عدم کے اندھیروں کو ایجاد و لبداع کے نور سے پھاڑا اور عالم الخلق کے اندر جو شرور تھے ان کو دور کیا۔ یہی عالم الخلق عالم الاجسام ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اجسام یا تو اثری ہوں گے یا عنصری۔ اجسام اثریہ نیکی ہی نیکی ہیں کیونکہ وہ اختلاف و فتور سے پاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ

جہاں تک عنصریات کا تعلق ہے وہ یا تو جمادات ہیں یا نباتات ہیں یا پھر حیوانات۔ جمادات تمام نفسانی قوی سے محروم ہیں۔ یہاں پر ظلمت بالکل خالص ہے اور بالکلیہ انوار ان کے لیے غیر مفید ہیں۔ یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ''وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ'' جہات تک نباتات کا تعلق ہے ان کے قوی غذائی ہیں۔ یہ قوی ان کے طول و عرض اور عمق میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ تین گروہوں میں منقسم ہیں۔ جہاں تک حیوانات کا تعلق ہے اس کے قوی حواس ظاہری اور حواس باطنی ہیں۔ قوت شہوانی اور قوت غضبی انسانی روح کو عالم غیب اور اللہ جل شانہ کی تقدیس سے باز رکھتی ہیں۔ یہی مراد ہے اللہ کی اس قول سے ''وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ'' اب عالم جسمانیات میں انسانی نفس کے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ یہی نفس پناہ مانگتا ہے مگر اس سے پناہ نہیں مانگی جا سکتی۔ لہٰذا اس مرحلہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیان کرنا ضروری تھا۔ سورۃ الناس میں نفس انسانی کے درجات میں جو ارتقاء ہوتا ہے اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ نفس انسانی اپنی فطرت اصلیہ کے اعتبار سے ارتقاء کے قابل ہے اور وہ اللہ کی معرفت اور محبت میں رکھا جاتا ہے۔ پہلے مرحلہ میں نفس انسانی ان معارف سے خالی ہوتا ہے۔ دوسرے مرحلہ میں علوم بدیہی اور اولیہ حاصل کیے جاتے ہیں۔ انہیں کے توسط سے فکری جہالتوں پر برتری حاصل ہوتی ہے۔ تیسرے مرحلہ میں فکری جہالتیں قوت سے فعل میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اللہ کا جو یہ قول ہے ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' پہلے مرحلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حالانکہ نفس ابھی علوم بدیہی اور علوم کسبی سے خالی ہوتا ہے۔ اس مرحلہ میں نفس انسانی کسی ایسے مربی کا محتاج ہوتا ہے جو اسے بدیہی معارف سے آشنا کرے۔ دوسرے مرحلہ میں ان علوم کے ذریعے ایسا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ فکری علوم پر غلبہ حاصل کر سکے۔ خدا کے اس قول ''مَلِكِ النَّاسِ'' سے یہی مراد ہے۔ تیسرے مرحلہ میں جب فکری علوم قوت اور فعل کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں تو نفس انسانی کو کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ خدا کے اس قول ''اِلٰهِ النَّاسِ'' سے یہی مراد

ہے۔ گویا حق سبحانہ نفس انسانی کو کے ہر مرتبہ کے مطابق اپنی پہچان کرتا ہے۔ پھر اللہ فرماتا ہے: "مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ" اس سے مراد قوت وھمیہ ہے۔ وھم پر خناس کے اطلاق کی وجہ یہ ہے کہ عقل و وہم بعض مقدمات کو تسلیم کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی تائید بھی کرتے ہیں لیکن جب معاملہ کسی نتیجہ تک پہنچنے پر آتا ہے تو عقل مدد کرتی ہے۔ وہم مغالطے میں ڈالتا ہے، وہ نتیجہ کو تسلیم کرنے سے روکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہم کو خناس کے نام سے پکارا گیا ہے، پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ تنبیہہ کی کہ اس خناس کا ضرر عقل پر زیادہ ہوتا ہے اور وہم و عقل بہت مشکل سے ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ حق سبحانہ نے اس صورت میں ارواح بشریہ کے مراتب بیان کیے ہیں اور ان کے دشمنوں سے آگاہ کیا ہے۔ عقل و وہم کے مابین امتیاز پیدا کرنے کو دونوں سورتوں پر قرآن حکیم اور فرقان عظیم کو ختم کیا گیا ہے۔ (۴۵)

امام رازی اور علم الموھبۃ:

گذشتہ مباحث میں ہم نے تقریباً ان تمام کسبی علوم و شرائط کا تذکرہ کیا ہے جو بقول جلال الدین سیوطی جن کا جاننا ایک مفسر کے لیے ضروری ہے۔ امام رازی کو اللہ تعالیٰ نے ان کسبی علوم کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے علوم بھی عطا کیے تھے جن کو وہبی کہا جاتا ہے۔ جلال الدین سیوطی اس خاص فن کو علم الموھبۃ کا نام دیتے ہیں۔ (۴۶) ان علوم کے تحت امام رازی نے اپنی تفسیر میں ایسے ایسے نادر نکات بیان کیے ہیں جو کسی اور تفسیر میں نہیں ملتے۔ یہ آپ کے نوادرات و تفردات ہیں جن میں آپ کا کوئی ثانی و نظیر نہیں۔ یہ نوادرات علمی، عقلی، ادبی اور روحانی سبھی پر مشتمل ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۲، ۳: "وَ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: معراج کا درجہ بہت بلند ہے۔ اسکی تعریف بہت اشرف و اعلیٰ ہے مگر سب سے بڑی معراج یہ ہے کہ انسان بحر توحید میں غوطہ زن ہو جائے اور اپنے امور میں سوائے اللہ کی ذات کے کسی پر تکیہ نہ کرے۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر آیا کہ وہ شکر گزار بندے تھے کیونکہ ایک موحد انسان کو جو چیز ملتی ہے وہ خدا کے فضل سے ملتی ہے۔ اس پر وہ خدا کا شکر گذار بندہ بنتا ہے۔ لہذا اے بنی اسرائیل! تم اسی نوح کی اولاد ہو۔ لہذا اسی کی پیروی کرتے ہوئے راہ توحید پر چلو۔ (۴۷)

سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۷۱ "يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ" کے تحت نکتہ بیان فرماتے ہیں۔ لفظ امام کے بارے میں ایک اور احتمال بھی ہے۔ وہ یہ کہ اخلاق فاضلہ اور اخلاق فاسدہ کی بے شمار اقسام ہیں۔ انہی اقسام میں سے کوئی نہ کوئی قسم انسان پر غالب رہتی ہے مثلاً کسی انسان پر غضب کا غلبہ ہوتا ہے۔ کسی پر پیسے جمع کرنے کی ہوس طاری ہوتی ہے۔ کسی کو دولت لٹانے کی عادت ہوتی ہے۔ کوئی کینہ و حسد سے بھرا ہوتا ہے۔ اسی طرح اخلاق فاضلہ میں سے کسی پر پاک دامنی، بہادری، سخاوت کا غلبہ ہوتا ہے۔ کسی پر حصول علم کی اور کسی پر زہد کی حکمرانی ہوتی ہے۔ جب تم

نے اس نکتہ کو پہچان لیا تو ہم کہتے ہیں۔ انہی ظاہری اخلاق کی وجہ سے انسان کے اندر ایک داعیہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ باطنی خلق ہے، یہی امام ہے، یہی بادشاہ ہے، یہی مطاع اور یہی وہ آقا ہے جس کی انسان پیروی کرتا ہے۔ قیامت کے روز ثواب و عتاب اسی امام کی وجہ سے مرتب ہوں گے۔ (۴۸ـ)

ایک جگہ فرماتے ہیں: زنا یا فحش حرکات کے پس منظر میں غربت ایک اہم سبب ہے۔ سورۃ الرحمٰن میں میزان اور قرآن کے الفاظ آئے ہیں۔ فرماتے ہیں: قرآن اور میزان کے مابین ایک مناسبت ہے۔

قرآن میں وہ علم ہے جو دوسری کتابوں میں نہیں اور میزان میں وہ عدل ہے جو دوسری کتابوں میں نہیں۔ (۴۹ـ)

سورۃ الصّف کی پہلی آیت "سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ" میں خود سوال اٹھائے ہیں۔ قرآن کی بعض سورتوں میں یسبح آیا ہے اور بعض میں صیغہ امر بھی آیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ خود جواب دیتے ہیں: جان لو! خدا کی تسبیح دائم اور غیر منقطع رہتی ہے۔ اس کے لیے ماضی کا صیغہ گزشتہ زمانے پر دلالت کرتا ہے۔ امر کا صیغہ حال پر اور مضارع کا صیغہ مستقبل پر دلالت کرتا ہے۔ گویا خدا کی تسبیح ہر وقت جاری و ساری رہتی ہے۔ (۵۰ـ) گزشتہ سطور میں تسبیح کی تشریح بھی زیر نظر رہے۔

قرآن پاک کی آیت:

"ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ "انما یسئلون غن الذائد مما لابد منه مطعم و ملبس و مسکن" (۵۱ـ) یعنی لوگوں سے روٹی، کپڑا اور مکان میں سے جو زائد از ضرورت ہوں ان کو خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

سورۃ العصر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہاں "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ" آیا ہے۔ دوسری جگہ "وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّکَ" آیا ہے۔ دونوں کے مابین عجیب نکتہ بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے وجود سے پہلے الٰہ تھا۔ لہٰذا پہلی آیت میں ذاتی نام آیا ہے۔ وجود کے بعد رب بن گیا ہے۔ لہٰذا دوسری آیت میں رب آیا ہے۔ (۵۲ـ) امام رازی زمین کو دھرتی ماتا کا نام دیتے ہیں۔ (۵۳ـ)

تفسیر کبیر اور سائنس

امام رازی قرآن پاک کی آیات کو نیہ پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ ان کی تفسیر سائنسی انداز میں کرتے ہیں۔ پھر ان سائنسی عجوبات کے پس پردہ خدا کی کارفرمائی اور تدبیر کی نشاندھی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: دنیا پر ہی غور و فکر کر کے ذات خداوحی کی پہچان ہوتی ہے۔ (۵۴ـ) امام رازی جانوروں کی عادات، بارش کے بننے اور پھر اس کے برسنے کے

عمل کو سائنس کے تناظر میں بیان کرتے ہیں۔(۵۵)

امام رازی حرکت زمین اور کشش ثقل کو قرآن سے ثابت کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں: حرکت و سکون بیک وقت موجود ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں: پانی کے اجزاء ایک دوسرے کو کشش کرتے ہیں(۵۶) یاد رہے۔ حرکت و سکون کے بیک وقت موجود ہونے کا نظریہ جدید دور میں آئن سٹائن نے تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ امام رازی کائنات کے اندر ہر لحظہ تبدیلیوں کو سورۃ الرحمٰن کی آیت کل یوم ھو فی شان سے ثابت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: "فیوجد تعالیٰ من الافعال المختلفة لا تعدو ولا تحصی" (۵۷) اللہ تبارک و تعالیٰ آن واحد میں اتنے مختلف افعال پیدا کرتے ہیں جو حد شمار سے باہر ہیں۔ امام صاحب رنگوں کی توضیح بیان کرتے ہیں:(۵۸)

چاند کے بارے میں فرماتے ہیں:

"انه صح ان القمر فی جرمه غیر مستنبر بل هو مظلم" (۵۹)

یہ صحیح ہے کہ چاند اپنے جرم میں بغیر روشنی کے ہے بلکہ اس پر اندھیرا چھایا ہوا ہے۔

تفسیر کبیر اور فلسفہ:

امام رازی بہت بڑے فلسفی تھے۔ شاید اسی وجہ سے وہ ماہر اخلاقیات بھی تھے۔ وہ اپنی تفسیر میں ان اخلاقی قدروں کے نقیب ہیں جو تصوف کے جڑ سے پیدا ہوتی ہیں۔ تصوف میں وہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو مانتے ہیں۔ امام رازی مثالیت پسند ہیں۔ "یسئلونك عن الروح" کے تحت فرماتے ہیں۔ انسان کو ایک مثالی جنس ہونا چاہیے۔(۶۰)

ایک جگہ فرماتے ہیں: "لا صغیرة مع الاصرار و لا کبیرة مع الاستغفار" (۶۱) لگاتار گناہ صغیرہ کرنے سے صغیرہ گناہ نہیں رہتا اور توبہ کرنے سے گناہ کبیرہ نہیں رہتا۔

امام رازی مذہبی رواداری کے قائل ہیں۔ "قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ" کی حکمت اس طرح بیان کرتے ہیں۔ یہاں پر کفار کے خداؤں پر براہ راست تنقید سے روکا گیا ہے۔ چاہے وہ باطل ہی کیوں نہ ہوں۔ ان کے بارے میں بری زبان کھولنے سے محتاط رہنا چاہیے۔(۶۲)

تفسیر کبیر کا عقلی پہلو:

امام رازی سائنسدان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک فلسفی بھی تھے۔ فلسفی ہونے کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ عقلی بنیادوں پر تفسیر بیان کریں۔ تاریخ اسلام میں متکلمین عقلی رویوں کے علم بردار رہے ہیں۔ رازی ایک عظیم متکلم بھی تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں: قرآن کے حقائق اور اس کا فہم علم اصول پر مہارت حاصل کیے بغیر حاصل نہیں ہو

سکتے بلکہ جب تک علم اصول پر عقل کا غلبہ نہ ہو قرآن کی تفسیر ہو ہی نہیں سکتی (۶۳-ب) آپ کے نزدیک قوت عقلیہ سب سے بڑی قوت ہے۔ فرماتے ہیں: قوت باصرہ اپنا ادراک کر سکتی ہے اور نہ اپنے آلات کا مثلاً قلب و دماغ۔ لہذا ثابت ہوا عقل کا نور آنکھ کے نور سے زیادہ مکمل ہے۔ اسی نور سے ہم علوم اکتساب کر سکتے ہیں۔ فرماتے ہیں: چالیس سال کی عمر پختہ ہوتی ہے۔ اس عمر میں قوائے عقلیہ مضبوط ہوتے ہیں۔ اسی قوت عاقلہ کی وجہ سے انسان حقائق کا ادراک کرتا ہے اور خدا کی صفات میں شریک ہو جاتا ہے۔ جو انسان خدا کے قریب ہو گا اس کی قوت عقلیہ اتنی ہی تیز ہو گی۔ (۶۴-ب) ہو سکتا ہے امام رازی افلاطون کے نظریات سے متاثر ہوں۔

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۱۵ "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا" کے تحت فرماتے ہیں:

"العقل هو رسول الله الى الخلق بل هو الرسول الذى لو لاه لما تقررت رسالة احد من الانبياء والعقل هو الرسول الا صلى فكان معنى الايه ما كنا معذبين حتى نبعث رسول العقل" (۶۵-ب)

مگر امام رازی بعض اوقات عقلی و فلسفی اور سائنسی مباحث میں اتنے دور چلے جاتے ہیں کہ تفسیر گم ہو جاتی ہے اور یہ دلائل بے کار اور دور از کار معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض مابعد الطبعی حقائق ایسے ہیں جو عقل کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے۔ اگر ایسے مقامات پر کوئی عقلی اعتراض یا شبہ وارد بھی ہوتا ہے تو امام رازی ایک صحیح العقیدہ مسلمان کی طرح اس کا جواب نہیں دیتے مثلاً سورۃ الفلق کے تحت اعتراض پیش کر کے فرماتے ہیں:

"انه لا يسئل عما يفعل" (۶۶-ب) خدا جو کچھ کرتا ہے اس کا وہ کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہے۔ امام رازی اس قوت عقلیہ سے خدا کی وحدانیت پر دلائل قائم کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ اگر دنیا کے تمام ماہرین طبیعات اور فلاسفر یہ ثابت کرنے کے لیے یکجا ہو جائیں کہ سورج اور چاند کی حرکت کو ممر معین مصوب معین اور مقدار معین پر ثابت کرنے بیٹھ جائیں تو ان کی حرکت کی تیزی اور نرمی ثابت کرنے میں کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکیں گے سوائے اس کے وہ سب ہی جل شانہ کی ذات کی طرف لوٹ آئیں اور یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ سورج اور چاند کو جیسا اللہ نے ارادہ کیا ویسا ہی ان کو حرکت دی۔ (۶۷-ب) یاد رہے یہی طرز استدلال مودودی نے اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے

تفسیر کبیر کے اہم مآخذ الطبری اور الزمخشری

امام رازی نے اپنی تفسیر میں دوسرے مفسرین کے علاوہ محمد بن جریر الطبری اور محمد بن عمر الزمخشری کی تفاسیر سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے بلکہ بعض آیات کی تفسیر میں ان دونوں کی لفظ بہ لفظ خوشہ چینی کی ہے۔ مگر رازی کا کمال یہ ہے کہ وہ طبری اور الزمخشری کی آراء میں اگر کوئی ابہام ہوتا ہے اور اسے دور کر دیتے ہیں یا ان میں کوئی کمی

ہوتی ہے تو اس کو بھی مکمل کر دیتے ہیں۔ ایک اچھے مصنف کی یہی سب سے بڑی خوبی ہوتی ہے کہ وہ اسلاف کا ناقل ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا ناقد بھی ہوتا ہے۔

سورۃ الصّف کی آخری آیت "فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو عیسیٰؑ کے زمانے میں ان پر ایمان لائے اور جن لوگوں نے عیسیٰؑ کا انکار کیا تو ایسا ہوا کہ عیسیٰؑ کو جب آسمان پر اٹھایا گیا تو بنی اسرائیل کے تین فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ نے کہا: عیسیٰؑ اللہ ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے تھے۔ لہذا اللہ نے ان کو اپنی طرف بلالیا۔ ایک فرقہ نے کہا: عیسیٰؑ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔ خدا نے ان کو اپنی طرف بلالیا۔ یہی لوگ مسلمانوں کا گروہ تھے۔ ہر فرقے کے پیروکار موجود تھے۔ پہلے دو گروہوں کے کافر حضرات مسلمان گروہ پر ٹوٹ پڑے اور انہیں قتل کیا اور زمین میں انہیں منتشر کر دیا۔ یہی حالت محمدؐ کے دور تک رہی۔ چنانچہ محمد جب مبعوث ہوئے تو یہی مسلمان گروہ دوسرے گروہوں پر غالب آگیا۔۔ اس قول کا یہی مطلب ہے۔ "فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ" (۶۸)

یہ پوری تفسیر امام طبری نے بیان کی ہے اور رازی نے اس کو من و عن نقل کر دیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی دوسری آیت "اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا" کی تفسیر میں الزمخشری کہتے ہیں۔ "وکیلا ای ربا تکلون امورکم الیہ" امام رازی نے اسے من و عن لکھ دیا ہے۔ (۶۹)

سورۃ الصّف کی آیت "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا" کی تفسیر میں امام طبری فرماتے ہیں: "فیہ دلالة علیٰ فضل القتال راجلة" اس آیت میں پیدل جہاد کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ امام رازی نے بھی ہو بہو اسی کو نقل کر دیا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کی تفسیر میں امام طبری الزمخشری اور امام رازی تینوں اماموں کی عبارات میں سر فرق نہیں ہے۔ گویا امام المفسرین الطبری کو یہ شرف حاصل ہے کہ بعد کے آنے والے اکثر نامور مفسرین نے ان کی تفسیر سے استفادہ کیا ہے۔

نتیجہ بحث

مندرجہ بالا شواہد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام الرازی ان تمام علوم و شرائط پر حاوی نظر آتے ہیں جن کا جاننا ایک مفسر کے لیے ضروری ہوتا ہے' لہذا اگر کسی نے تفسیر کبیر کے بارے میں کہا: "فیہ کل الشیء الا التفسیر" تو یہ بہت بڑا تحکم اور زیادتی ہے۔ اس سلسلہ میں متوازن قول تاج الدین السبکی کا ہے کہ "فیہ کل الشئی مع التفسیر۔"

المراجع

۱) سیوطی جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، ج ۲، ص ۱۹۰، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، الطبعۃ الثالثۃ، مصر ۱۹۵۱ء/۱۳۷۰ھ

خلیفہ چلپی: کشف الظعون عن آسامی الکتب والفنون، ص ۱۷۵۶

۲) ڈاکٹر خلف فتح اللہ، فخر الدین رازی، ص ۴۲، دار المعارف مصر، ۱۹۶۹ء/۱۳۸۹ھ

۳) طاش کوبری زادہ: مفتاح السعادۃ، ج ۱، ص ۳۴۵۰، الطبعۃ الاولیٰ حیدر آباد دکن۔

۴) گولڈ زیہر، مذاہب التفسیر الاسلامی، ص ۴۶، مکتبہ الخانجی مصر المثنی بغداد، ۱۹۵۵ء مترجم عبد الحلیم النجار

۵) ایضاً، ج ۲۰، ص ۱۴۵

۶) ایضاً، ج ۲۰، ص ۱۷

۷) جلد، ج ۲۱، ص ۲۵

۸) ایضاً، ج ۳۲، ص ۸۲

۹) ایضاً، ج ۳۲، ص ۳۷

۱۰) ایضاً، ج ۳۲، ص ۳۶

۱۱) ایضاً، ج ۲۱، ص ۲۷

۱۲) ایضاً، ج ۲۳، ص ۴۲

۱۳) ایضاً، ج ۲۱، ص ۳۲

۱۴) ایضاً، ج ۲۸، ص ۱۲۰

۱۵) ایضاً، ج ۲۰، ص ۲۰۱-۲۰۳

۱۶) ایضاً، ج ۲۰، ص ۱۹۶

۱۷) ایضاً، ج ۲۳، ص ۱۵۵

۱۸) ایضاً، ج ۲۸، ص ۱۳۴

۱۹) ایضاً، ج ۲۰، ص ۲۰۸

۲۰) ایضاً، ج ۲۸، ص ۳۵

۲۱) ایضاً، ج ۲۱، ص ۳۵

۲۲) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص ۶۸-۷۰، باب دوم، فصل دوم، قرآن محل تاجران کتب کراچی، ۱۳۸۳ھ (فارسی/عربی/اردو)

۲۳) ایضاً، ج ۳۲، ص ۱۰

۲۴) ایضاً، ج ۲۳، ص ۱۶۴

۲۵) ایضاً، ج ۲۹، ص ۱۶۲

۲۶) ایضاً، ج ۲، ص ۱۶۲

۲۷) ایضاً، ج ۲۸، ص ۱۱۸-۱۱۹

۲۸) ایضاً، ج ۳۲، ص ۱۵۶

۲۹) ایضاً‘ ج۳۲‘ ص۲۹_۱۰۹
۳۰) ایضاً‘ ج۲۸‘ ص۱۲۹
۳۱) ایضاً‘ ج۲۸‘ ص۱۲۹
۳۲) ایضاً‘ ج۲۸‘ ص۱۳۵
۳۳) ایضاً‘ ج۲۱‘ ص۶
۳۴) ایضاً‘ ج۲۰‘ ص۱۸۹
۳۵) ایضاً‘ ج۲۰‘ ص۱۸۹
۳۶) ایضاً‘ ج۲۸‘ ص۱۳۰
۳۷) ایضاً‘ ج۳۲‘ ص۱۱۲
۳۸) ایضاً‘ ج۳۲‘ ص۲۰۵_۲۰۶
۳۹) ایضاً‘ ج۳۲‘ ص۱۸۵
۴۰) ایضاً‘ ج۲۳‘ ص۲۲۳
۴۱) ایضاً‘ ج۲۹‘ ص۳۱۳_۳۱۴
۴۲) ایضاً‘ ج۲۱‘ ص۳۷_۵۲
۴۳) ایضاً‘ ج۲۱‘ ص۱۲۲_۱۲۵_۱۹۱
۴۴) ایضاً‘ ج۲۰‘ ص۷۰
۴۵) ایضاً‘ ج۳۲‘ ص۱۸۶_۱۸۷
۴۶) الاتقان فی علوم القرآن‘ ج۲‘ ص۱۷۰_۱۸۰_۱۸۱
۴۷) ایضاً‘ ج۲۰‘ ص۱۵۴
۴۸) ایضاً‘ ج۲۱‘ ص۱۸
۴۹) ایضاً‘ ج۲۹‘ ص۹۲
۵۰) ایضاً‘ ج۲۹‘ ص۳۱۰
۵۱) ایضاً‘ ج۲۸‘ ص۱۳۱_۱۳۳
۵۲) ایضاً‘ ج۳۲‘ ص۱۵۳
۵۳) ایضاً‘ ج۲۱‘ ص۱۴
۵۴) ایضاً‘ ج۲۳‘ ص۲۳۱
۵۵) ایضاً‘ ج۲۴‘ ص۱۱_۱۳
۵۶) ایضاً‘ ج۲۹‘ ص۱۰۰_۱۰۱_۱۰۲
۵۷) ایضاً‘ ج۲۹‘ ص۱۳۶
۵۸) ایضاً‘ ج۲۹‘ ص۱۳۶
۵۹) ایضاً‘ ج۳۲‘ ص۱۹۵
۶۰) ایضاً‘ ج۲۱‘ ص۳۶
۶۱) ایضاً‘ ج۲۳‘ ص۲۰۴
۶۲) ایضاً‘ ج۳۲‘ ص۱۱۸
۶۳) ایضاً‘ ج۲۱‘ ص۶۶
۶۴) ایضاً‘ ج۲۳‘ ص۲۲۵ تا ۲۳۰
۶۵) ایضاً‘ ج۲۳
۶۶) ایضاً‘